اصول تفسیر القرآن بالقرآن: ایک مطالعہ

نذیر احمد علائی☆

یہ اصول تفسیر، تفسیر کی سب سے اعلیٰ وارفع قسم ہے، کیونکہ یہ اصول ہم معنی قرآنی الفاظ یا ہم معنی قرآنی آیات میں مضمر ہے۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح میں قرآن حکیم کی دیگر آیات سے، جن میں وہ معنی زیادہ وضاحت سے آیا ہو، فائدہ حاصل کیا جائے۔ ڈاکٹر محمد ابوشہبہ اس اصطلاح کی تعریف یوں کرتے ہے:

> هو تفسیر بعض آیات القرآن بما ورد فی القرآن نفسه فان القرآن یفسّر بعضه بعضا(۱)
>
> ”تفسیر القرآن بالقرآن سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی کسی آیت کی تفسیر، قرآن ہی کی کسی دوسری آیت سے کی جائے، کیونکہ قرآن کے ایک حصے کی تفسیر دوسرے حصے سے ہوجاتی ہے۔“

اس طرح پورے قرآن میں یہ اسلوب، تفسیر القرآن بالقرآن ملتا ہے۔

ہم معنی الفاظ کے درمیان فرق: قرآن میں کوئی لفظ ضرورت سے زیادہ نہیں وارد ہوا ہے اور نہ کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہے جس کی ضرورت تھی۔ عرب کہا کرتے ہیں: جب متعدد اشیاء میں یکسانیت بتانا ہو تو وہ کہتے کہ یہ ایک ڈھلا ڈھلایا کنگن ہے جس کو دیکھ کر یہ نہیں پتا لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی انتہا کہاں ہے اور ابتدا کہاں سے ہوئی؟ قرآن کریم میں جو آیات وارد ہوئی ہیں ان کی نوعیت بھی بجنسہٖ اسی طرح کی ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے دو اصول

(۱) تفسیر بالقرآن متّصلاً: بسا اوقات مجمل کی تفسیر نفس سورۃ میں اس کے ساتھ متّصل ہوتی ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ②﴾ (الطارق) تو نفس سورہ ہی میں متصلاً ”الطَّارِق“ کی تفسیر ”النَّجْمُ الثَّاقِب“ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے خود بیان کردی (۲)۔ نیز ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرۃ:۱۸۷) آیت میں جب ”مِنَ الْفَجْرِ“ کا اضافہ کیا گیا، تو کلام کا مطلب واضح ہوگیا۔ (۳)

(۲) تفسیر بالقرآن منفصلاً: کسی وقت مجمل آیت کی تفسیر نفس سورہ میں یا کسی دوسری سورہ میں ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ㉒ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ㉓﴾ (القیامۃ)(٤) اس آیت میں رویتِ باری

☆ شعبہ دینیات، سنی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تعالیٰ کا جواز ثابت ہوتا ہے' جس کی مزید تشریح اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز﴾ (الانعام:۱۰۳) ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں''۔ اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اصل رؤیت ممکن ہے' البتہ اس کا حصر اور احاطہ جس کو ادراک کہتے ہیں' ناممکن ہے۔ (۵)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①﴾ (الفاتحة) اس آیت میں آپ ﷺ سے کہا جاتا ہے کہ تمام شکر و ثنا اللہ ہی کے لیے جو تمام جہانوں کا مربّی ہے۔ گویا کسی نے ربّ کے بارے میں پوچھا ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی مزید تشریح فرما دی: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ㉓ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ㉔﴾ (الشعراء)

تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام

(۱) **تفسیر العام بالخاص**: تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ عام کو خاص پر محمول کیا جائے۔ لفظ عام کے بارے میں عبدالوہاب خلاف رقمطراز ہیں:

> ''عام' قرآن کریم میں وارد شدہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے اصلی لغوی مفہوم کے اعتبار سے بلا حصر و عدد اپنے تمام افراد کو شامل ہو۔''(۶)

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط﴾ (البقرة:۲۵۴) ''اس سے قبل کہ وہ دن آئے' جس روز نہ سودے بازی ہو گی' نہ دوستی ہو گی اور نہ سفارش''۔ اس آیت کریمہ میں دوستی اور سفارش کی نفی بطریق عموم فرمائی' پھر دوسری آیت میں متقیوں کو دوستی کی نفی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (67)﴾ (الزخرف) ''اس روز دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے' سوائے متقیوں کے''۔ اسی طرح اللہ کی اجازت پر مبنی سفارش کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا' جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ﴾ (النجم:۲۶) ''آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی' مگر اذنِ خداوندی کے بعد۔''

(۲) **تفسیر المُجمل بالمُبیّن**: تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مجمل کو مبین پر محمول کر کے اس کے ساتھ مجمل کی تفسیر کی جائے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ط﴾ (المؤمن:۲۸) ''اور اگر یہ رسول سچا ہے' تو جس عذاب کا وعدہ وہ تم سے کرتا ہے' اس میں سے کچھ تمہیں ضرور پہنچ گا''۔ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ﴾ (المؤمن:۷۷) ''جس بات کا وعدہ ہم ان سے کرتے ہیں' اگر اس میں سے کچھ آپؐ کو دکھا دیں''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیت ۲۸ میں جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے' اس سے دُنیوی عذاب مراد ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ㉗﴾ (النساء) ''جو لوگ شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بالکل ہی جھک جاؤ۔'' مذکورہ آیت کی وضاحت مابعد بیان کردہ آیت میں ہے کہ یہاں وضاحت کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾﴾ (النساء) ’’کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا، وہ خود بھی گمراہی اختیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔‘‘(۷)

(۳) تفسیر المُطلق بالمقیّد: تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ نے اکثر شافعیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب دو حکم الگ الگ ہوں اور ان کا سبب ایک ہو، تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ امام غزالیؒ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (المائدۃ:٦) ’’اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو‘‘۔ اس آیت میں ہاتھ دھونے کی حد کہنی تک مقرر کی ہے۔ پھر آگے اسی آیت میں تیمّم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ﴾ (المائدہ:٦) ’’پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مل لو‘‘۔ اس آیت کریمہ میں ہاتھ کی تحدید و تعیین نہیں کی گئی، لیکن اس آیت میں بھی ہاتھ کہنیوں تک مراد ہوں گے۔(۸)

تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک طریقہ خاص القرآن ہے، اس کی درج ذیل اقسام ہیں: (۱) مطلق (۲) مقید (۳) امر (۴) نہی۔ خاص مقید کی مثال آیت کریمہ: ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (الانعام:١٤٥) میں ’’مَسْفُوْحًا‘‘ کا لفظ ہے، اس لیے کہ آیت کریمہ میں ’’دَمًا‘‘ (خون) کا لفظ مطلق وارد ہوا تھا، ’’مَسْفُوْحًا‘‘ نے اس کو مقید کر دیا، گویا یہاں خاص مطلق کو خاص مقید پر محمول کیا گیا ہے۔(۹)

(٤) تفسیر الاجمال بالتّفصیل: تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک قسم یہ ہے کہ جو چیز قرآن میں ایک جگہ مختصر آئی ہے، اس کی تفسیر ان آیات کے ساتھ کی جائے جہاں وہی مضمون تفصیلاً وارد ہوا ہے، مثلاً آدم و ابلیس کا واقعہ بعض جگہ مختصراً آیا ہے اور دوسری جگہ مفصلاً، یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کا ہے۔(۱۰)

(٥) تفسیر القرآن بالاستقرار: تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک قسم یہ ہے کہ جو چیز بظاہر مختلف نظر آتی ہے اس کو یکجا کر دیا جائے، مثلاً تخلیق آدم کے بارے میں بعض آیات میں ذکر کیا کہ ان کو ’’تراب‘‘ (مٹی) سے پیدا کیا، بعض میں ’’طین‘‘ (کیچڑ) کا ذکر کیا ہے، اور بعض میں ’’صَلصَال‘‘ (کھنکھناتی مٹی) کا ذکر کیا۔ ان بظاہر مختلف آیات میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان میں تخلیق آدم کے مختلف مراحل و ادوار کا ذکر کیا گیا ہے جن میں وہ آغاز سے لے کر نفخ روح تک گزرے۔(۱۱)

(٦) تفسیر القرآن بالقراء ات: قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے ان آیات سے بھی کی جا سکتی ہے جن میں بعض قراءتوں کو دوسری قراءتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ بعض قراءتیں اگرچہ دوسری آیات سے الفاظ کے اعتبار سے مختلف ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے یکساں ہیں، مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ’’اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِنْ ذَهَبٍ‘‘ ہے، جو مشہور قراءت ﴿اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ (الاسراء:٩٣) کی تشریح ہے۔(۱۲)

بعض قراءتیں لفظ اور معنی دونوں میں مختلف ہوتی ہیں، لیکن ایک قراءت دوسری قراءت کی مراد کو متعین کرتی ہے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة:٩) اس کی تفسیر دوسری قراءت ’’فامضوا الی ذکر اللّٰہ‘‘ کرتی ہے۔(۱۳)

بعض قراءتوں میں کمی بیشی کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے اور دونوں قراءتوں میں جو بیشی ہوتی ہے۔ وہ کمی والی قراءت کے اجمال کی تفصیل کرتی ہے' اس کی مثال وہ قراءت ہے جو حضرت ابن عباس ؓ سے منسوب ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ﴾ (البقرة:۱۹۸) ''(اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے ربّ کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' یہ قراءت قرآن کریم کی موجودہ قراءت کی تفسیر ہے جس میں لفظ ''فی مواسم الحج '' ذکر نہیں ہے۔ اس آیت میں زائد فقرہ ''فی مواسم الحج '' نے قدیم عربوں کے جاہلانہ تصور کو ختم کر دیا ہے' کیوں کہ وہ سفر حج کے دوران کسب معاش کے لیے کام کرنے کو برا سمجھتے تھے' اس لیے کہ ان کے نزدیک کسب معاش ایک دنیا دارانہ کام تھا' اور حج جیسے ایک مذہبی کام کے دوران میں اس کا ارتکاب مذموم تھا۔ قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ ایک خدا پرست آدمی جب اللہ کے قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے معاش کے لیے جدّوجہد کرتا ہے' تو دراصل وہ اپنے ربّ کا فضل تلاش کرتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ (۱۴)

اس قسم کی قراءتوں کے بارے میں علماء کے خیالات مختلف ہیں' بعض متاخرین کا کہنا ہے کہ وہ قرآن کی دوسری صورتیں ہیں' جب کہ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ وہ قرآن کا جزء نہیں ہیں' بلکہ تفسیر کے قبیل سے ہیں' اور یہی بات صحیح لگتی ہے' کیوں کہ صحابہ کرام ؓ قرآن کریم کی تفسیر کرتے تھے اور قرآنی آیات کے پہلو بہ پہلو تفسیر لکھنے کے بھی قائل تھے' چنانچہ امتدادِ زمانہ کے سبب بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ قرآن کی مختلف صورتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوئی ہیں' اور آپؐ سے صحابہ کرام ؓ نے براہِ راست روایت کیا ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ مختلف قراءتیں تفسیر القرآن بالقرآن کے لیے اہم مرجع ہیں۔ اس کی تصدیق حضرت مجاہد ؒ کی ایک روایت سے ہو جاتی ہے جس میں آپؒ نے فرمایا: ''اگر میں نے حضرت ابن عباس ؓ سے بہت سے سوالات کرنے سے پہلے حضرت ابن مسعود ؓ کی قراءت پڑھ لی ہوتی' تو مجھے ان سے اکثر سوالات پوچھنے کی حاجت نہ پڑتی۔''(۱۵)

قراءت کی تفسیری حیثیت کو مشہور یہودی مستشرق گولڈزیہر نے بھی تسلیم کیا ہے' اس کا کہنا ہے:

> ''تفسیر القرآن کا اوّلین مرحلہ اور اس کا نقطہ آغاز خود قرآن ہی میں موجود ہے' بالفاظ دیگر ہم قرآن کی مختلف قراءتوں میں اس کی تفسیری کوششوں کا پہلا دور ملاحظہ کر سکتے ہیں۔''(۱۶)

ڈاکٹر غلام احمد حریری مذکورہ عبارت کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرآن کریم کی بعض متواتر قراءتوں کو بھی مرکز تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے' اگرچہ غیر متواتر قراءتوں کو قرآن ہونے کی حیثیت حاصل نہیں' تاہم ان کو نصوصِ قرآنی کی تفسیر تسلیم کر سکتے ہیں۔''(۱۷)

(۷) تفسیر الآیات للأحکام: قرآن کریم کی تفسیر قرآن کے ذریعہ سے ان احکامی آیات سے بھی کی جا سکتی ہے جن میں پہلے پہل کسی چیز کی خرابیوں اور خوبیوں کو واضح کیا گیا' پھر دوسری آیات میں اس کو حرام کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر شراب کی حرمت کے بارے میں آیاتِ الٰہی کو دیکھیے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ

نَّفۡعِهِمَا ؕ﴾ (البقرہ:۲۱۹)

’’(اے نبی ﷺ!) وہ آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں؟ کہیے: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے‘ اگرچہ ان دونوں میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں‘ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔‘‘

یہ شراب کے متعلق پہلا حکم ہے‘ جس میں صرف اظہار ناپسندیدگی کر کے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس حکم کے آنے کے بعد بعض مسلمانوں نے شراب کو چھوڑ دیا تھا‘ لیکن بہت سے لوگ بدستور اسے استعمال کرتے رہے تھے‘ حتیٰ کہ بعض اوقات نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا حکم آ گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ﴾ (النساء:۴۳)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ‘ (نماز اُس وقت پڑھنی چاہیے) جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔‘‘

اس آیت میں نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیے‘ اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشہ ہی کی حالت میں نماز کا وقت نہ ہو جائے‘ لیکن کچھ مدت کے بعد قطعی حرمت کا حکم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾﴾ (المائدۃ)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ یہ شراب اور جوا‘ اور یہ آستان اور پانسے‘ یہ سب گندے شیطانی کام ہیں‘ ان سے پرہیز کرو‘ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔‘‘(۱۸)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الۡخَمۡرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبۡتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعۡتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالۡمَحۡمُوۡلَةَ اِلَيۡهِ))(۱۹)

’’اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر‘ اس کے پینے والے پر‘ پلانے والے پر‘ فروخت کرنے والے پر‘ خریدنے والے پر‘ کشید کرنے والے پر‘ ڈھو کر لے جانے والے پر‘ اور اس شخص پر جس کے لیے ڈھو کر لے جائی گئی ہو۔‘‘

قرآن کے ذریعہ قرآن کی تفسیر کی تمثیل ان آیات میں بھی ہو سکتی ہے جو زنا کی حرمت اور اس کی سزا کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اسلام نے متعدد آیات و احادیث کے ذریعہ نکاح کی ترغیب دی ہے اور اس کے لیے راستے ہموار کیے ہیں‘ کیونکہ جنسی خواہشات کی تکمیل کا محفوظ ترین طریقہ یہی ہے اور یہی وہ مثالی طریقہ ہے جس سے ایک ایسی نسل وجود میں آ سکتی ہے جس کی تربیت‘ دیکھ بھال اور نگرانی میں ماں باپ دونوں شریک ہوں۔ اسی مقصد سے اسلام نے دلوں میں محبت و مودت‘ رحم اور عزتِ نفس کے جذبات پیدا کیے تاکہ یہ نسل اس کائنات کی

تعمیر میں اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں پوری کر سکے اور مفوضہ کردار سرانجام دے سکے۔ چنانچہ قرآن نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے کبھی کہتا ہے کہ یہ انبیاء اور مرسلین کی سنت اور ان کا طریقہ ہے: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ﴾ (الرعد: ۳۸) ”آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا“۔ پھر قرآن کریم اللہ کے احسانات گناتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ﴾ (النحل: ۷۲)

> ”اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔“

قرآن اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا بھی تذکرہ کرتا ہے کہ وہ نکاح کو مالی آسودگی اور فارغ البالی کا ذریعہ بنادے گا نکاح کرنے والے کے مسائل کو حل کر دے گا اور اسے ایسی قوت عطا کرے گا جس سے وہ فقر و فاقہ کے اسباب پر غلبہ حاصل کرنے پر قادر ہو جائے گا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲﴾ (النور)

> ”اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے:

> ”جمہور فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اللہ کا یہ ارشاد اس کام کو واجب نہیں بلکہ مندوب قرار دیتا ہے یعنی اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عام طور پر یہ فکر ہونی چاہیے کہ ان کے معاشرے میں لوگ بن بیاہے نہ بیٹھے رہیں۔“ (۲۰)

ماقبل بیان کردہ آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے نکاح کو فطری جنسی جذبات کو کنٹرول میں رکھنے کا ایک ذریعہ بنایا ہے اس لیے نکاح کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور ہونا چاہیے تاکہ زندگی کی گاڑی اپنی طبعی رفتار سے چلتی رہے لیکن دوسری جانب وہ غیر شادی شدہ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنا نکاح ہونے تک عفت و پاکدامنی کی زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ (النور: ۳۳)

> ”اور جو لوگ نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔“

اسلام نے ایک جانب معاشرے کی تنظیم وتطہیر کی خاطر نکاح کی ترغیب دی تو دوسری جانب اس نے ناجائز طریقوں سے جنسی خواہش بھڑکانے کے تمام کام حرام قرار دیے، چنانچہ اس نے اختلاطِ مرد وزن، نامحرم عورتوں کے ساتھ خلوت، ہیجان انگیز تصویروں، فحش گانوں، مشکوک نگاہوں اور ان تمام چیزوں سے دور رہنے کا حکم دیا جو جنسی خواہش کو بھڑکاتی اور فحش کاری کی دعوت دیتی ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ⑲﴾ (النور)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے، وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبریؒ رقمطراز ہیں :

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے گروہ میں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے سچا عہد کیا ہے، زنا عام ہو اور اس کی باتیں پھیلیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں انہیں پاک دامن مردوں اور عورتوں پر بہتان تراشی کے الزام میں دردناک سزا ملے گی اور اگر ان کا یہی رویہ برقرار رہا اور بغیر توبہ کے ان کی موت ہو گئی تو آخرت میں وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' (۲۱)

اسلام نے خاندانی نظام کو بچانے کی غرض سے مندرجہ بالا آیت میں فحش پھیلانے والوں کے لیے دردناک سزا سنائی ہے، لیکن اس آیت میں زنا کو حرام نہیں کیا ہے، بلکہ حرمت کی تمہید باندھی ہے، کیوں کہ اسلام معاشرے کو نرمی اور سہولت کے ساتھ عفت اور پاک دامنی کے اعلیٰ مقام تک پہنچاتا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے فقہاء کا خیال ہے کہ زنا کی سزا کے احکام شراب کی حرمت کے مثل بتدریج نازل ہوئے ہیں (۲۲) اور آخر میں اعلان کر دیا گیا:

﴿وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ㉜﴾ (الاسراء)

''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔''

اور متعدد آیات کے ذریعہ اس برے کام کے ارتکاب پر سزا کی شدید دھمکی بھی دی ہے۔ اسی طرح سے زانی کے جرم کی سزا بتدریج نازل ہوئی ہے۔

ابتدائی اسلامی دور میں اگر عورت پر زنا کا جرم ثابت ہو جاتا تو اسے ایک گھر میں قید کر دیا جاتا اور وہ اس گھر سے موت تک نکل نہ سکتی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ الّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ⑮﴾ (النساء)

''تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو، اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے۔''

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن عورتوں پر ارتکاب زنا کا جرم ثابت ہو جائے انہیں معاشرے سے الگ تھلگ کر دیا جائے۔ آیت کے ٹکڑے ﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل اور قطعی حکم نہیں ہے' بلکہ ایک مخصوص وقفہ اور معاشرے کے مخصوص حالات کے لیے ہے' اور بعد میں اس سے متعلق مستقل فیصلہ صادر ہونے کی توقع ہے' چنانچہ بعد میں سورۃ النور میں دوسرا حکم نازل ہونے کے بعد یہ پہلے حکم کی تفسیر بن گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۲﴾ (النور)

”زانیہ عورت اور زانی مرد' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہیے کہ ان کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود ہو۔“

یہ وہ راستہ ہے' جس کی طرف سورۃ النساء کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (۲۳)

خلاصہ: معلوم ہوا کہ تفسیر القرآن بالقرآن ایک بنیادی اور بدیہی اصول مانا جاتا ہے' یہ سب کے یہاں تسلیم شدہ ہے' البتہ اس کے لوازمات و جزئیات میں اختلاف ہو سکتا ہے' جیسے نظم قرآن جو تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک جزء ہے' بعض لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔

حوالہ جات

(١) الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر' محمد بن محمد ابوشهبة' مکتبة السنة القاهرة' ١٤٠٨ھ' ص ٤٤۔
(٢) الاتقان فی علوم القرآن' علامہ جلا ل الدین السیوطیؒ' ج٢' ص ٣١۔ ومناهل العرفان' ج١' ص ٤٨٠۔ والتبیان فی علوم القرآن' ص٦٧'٦٨۔
(٣) البرهان فی علوم القرآن' بدر الدین زرکشی' ج٢' ص ٢١٥۔
(٤) الاتقان فی علوم القرآن' علامہ سیوطی' ج٢' ص ٣١۔
(٥) البرهان فی علوم القرآن' بدرالدین زرکشی' ج٢' ص ٢٦١۔
(٦) اصول الفقه' عبد الوهاب خلّاف' ص٢١٣۔
(٧) تاریخ تفسیر و مفسرین' غلام احمد حریری' ص ٤١'٤٢۔
(٨) مسلم الثبوت' ج١' ص ٣٦١۔ وتاریخ تفسیر و مفسرین' غلام احمد حریری' ص ٤٣۔
(٩) اصول الفقه' عبدالوهاب خلّاف' ص ٢٢٦۔
(١٠) تاریخ تفسیر و مفسرین' غلام احمد حریری' ص ٤١۔ والتفسیر والمفسرون' ڈاکٹر حسین الذهبی' ج١' ص ٣٨۔
(١١) ایضًا' ج١' ص ٣٩۔ تاریخ التفسیر والمفسرون' غلام احمد حریری' ص ٤٣۔
(١٢) التفسیر والمفسرون' ڈاکٹر حسین الذهبی' ج١' ص ٤١۔
(١٣) فتح الباری' کتاب التفسیر' ابن حجر عسقلانی' ج٨' ص ٦٥۔
(١٤) ایضاً' ج٨' ص ١٨٦۔

(۱۵) نظرة عامة فی تاريخ التشريع الاسلامی، علی حسن عبد القادر، ج۱، ص ۱۶۳۔ وفتح الباری، کتاب التفسير، ابن حجر عسقلانی، ج۸، ص ۶۵۔ التفسير والمفسرون، ڈاکٹر حسين الذهبی، ج۱، ص ۴۱۔

(۱۶) المذاهب الاسلامية، گولڈ زيهر، ج۱، ص ۱۰۔ والتفسير والمفسرون، ڈاکٹر حسين الذهبی، ج۱، ص ۱۔ وتاريخ تفسير ومفسرين، غلام احمد حريری، ص ۴۳۔

(۱۷) تاريخ تفسير ومفسرين، غلام احمد حريری، ص ۴۴۔

(۱۸) التفسير الکبير، فخر الدين رازی، ج۱۰، ص ۱۰۸۔

(۱۹) سنن ابی داوٗد، کتاب الاشربة، باب العنب يعصر للخمر۔

(۲۰) تفهيم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، ج۳، ص ۳۹۸۔

(۲۱) جامع البيان فی تفسير القرآن، ابن جرير الطبری، ج۱۸، ص ۷۱۔

(۲۲) فقه السنة، سيد سابق، ج۲، ۱ ص ۴۰۴۔

(۲۳) تفسير القرآن العظيم، ابن کثير، ج۱، ص ۴۷۲، ۴۷۳۔

* * *

بقیہ مضامین قرآن

> اور سامنے کی جانب دوڑتا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس نور کو پورا فرما دے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

بعد ازاں آیت ۱۰ تا ۱۲ میں خواتین کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ دین میں اپنے شوہروں کے تابع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عائلی زندگی میں شوہر گھر کا نگران ہے اور بیوی کو اس کا فرمانبردار ہونا چاہیے، لیکن اللہ کے ہاں اس کو شوہر کی کسی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، بلکہ اس کے کام اس کی اپنی نیکی ہی آئے گی۔ چنانچہ اس حوالے سے چند مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی ہیں کہ حضرات نوح ولوط علیہما السلام (جو اللہ کے رسول ہیں) کی بیویوں کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین و پاکیزہ خاتون کی ہے کہ فرعون (جو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا) کی بیوی حضرت آسیہ ایک جنتی خاتون ہیں۔ پھر حضرت مریم کی مثال دی گئی جو خود بھی نیک سیرت تھیں اور ان کی تربیت اللہ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی گود میں ہوئی۔ یہ مثال ہے "نُورٌ علٰی نور" کی۔ یہ تو تین ممکنہ صورتیں ہو گئیں، جبکہ ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ شوہر بھی بدترین اور بیوی بھی بدترین۔ اس کی مثال سورۃ اللھب میں بیان ہوئی ہے کہ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل نبی اکرم ﷺ سے قرابت کے باوجود دونوں آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ یہ مثال ہے "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کی۔

* * *